© rasailojaraid.com

عرب قومیت اشتراکیت اور اسلام

محمد سرور

جہاں تک عرب قومیت کا، بحیثیت ایک سیاسی نصب العین اور نظریے کے، تعلق ہے، مراکش سے لے کر خلیج فارس تک (جسے اب خلیج عرب کا نام دیا جا رہا ہے) جتنے بھی عرب ملک ہیں، سب کے سب اسے مانتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ امت عربیہ" کا ایک حصّہ ہے۔ اس بارے میں بظاہر ان میں کوئی اختلاف نہیں، چنانچہ ان کے انہی دعاوی کا عملی مظہر عرب لیگ (جامعۃ دول العربیہ) ہے، جو باوجود اپنی تمام کمزوریوں اور رُکن ملکوں کے باہمی جھگڑوں کے، اس وقت تک قائم ہے۔ اور وہ ختم نہیں ہوئی، یہ گویا علامت ہے، ان کی اس خواہش کی کہ تمام عرب ایک "امت عربیہ" ہیں۔ اور اس کا ایک جامع ادارہ ہونا چاہیئے۔

عرب قومیت کے اس سیاسی نصب العین اور نظریئے میں ہم نوا ہونے کے باوصف آج ہر عرب ملک عرب قومیت کے محافظ اور علمبردار ہونے کے دعادی کے ساتھ ساتھ دوسرے عرب ملک کے خلاف سازشوں میں مصروف ہے، اور اس طرح عرب دنیا گویا ایک بارود خانہ بنی ہوئی ہے، جس میں کہیں بھی ذراسی چنگاری سے آگ لگ سکتی ہے۔ اور ملک کا پورا نظام تہس نہس ہو سکتا ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ اس وقت عرب ملکوں میں عرب قومیت کی حیثیت کم و بیش ایک نعرہ کی ہے۔ اور اس سے معین طور پر نظری و فکری اور معاشی و سیاسی و اجتماعی لحاظ سے کیا مراد ہے۔ اور وہ کون سے واضح نظریات ٹھوس اصول اور عملی طریقہ ہائے کار ہیں، جن کے غالب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجموعے پر "عرب قومیت" کا اطلاق ہو سکتا ہے، یہ پہلو اب تک اس میں غیر موجود ہیں۔ اور اسی کی وجہ سے یہ تمام جھگڑے ہیں۔ سب سے پہلے تو عرب بادشاہتوں اور جمہوریتوں کا اختلاف آتا ہے۔ عرب جمہوریتوں کی عرب قومیت میں اشتراکیت (سوشلزم نہ کہ کمیونزم) ایک لازمی عنصر ہے۔ لیکن عرب بادشاہتیں اشتراکیت کو اسلام کے منافی، اس لئے عرب قومیت کی ضد سمجھتی ہیں، آخرالذکر میں پیش پیش سعودی عرب ہے۔ اور اس گروہ میں اردن اور مراکش بھی شامل ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے یمن بھی اسی گروہ میں تھا، اور سابق امام نے جن کا انتقال ہو چکا ہے، صدر ناصر کی اشتراکیت کے خلاف ایک نظم بھی لکھی تھی، جس کا عرب دنیا میں بڑا چرچا ہوا۔ اور سعودی عرب نے اس کا خوب پروپیگنڈا کیا۔ اس نظم میں دوسروں کے مال پر قبضے کرنے کی مخالفت کی گئی تھی، اور اسے اسلام کے منافی بتایا تھا۔

عرب قومیت کے بارے میں ایک تو یہ بنیادی اختلاف ہے۔ چنانچہ عرب شاہیت پسندوں کی عرب قومیت اور ہے اور جمہوریت پسندوں کی اور۔ اول الذکر عرب قومیت اور اسلام (جسے وہ اسلام کہتے یا سمجھتے ہیں) کو لازم و ملزوم قرار دیتے ہیں، بلکہ وہ عرب قومیت کو اسلام کے تابع رکھنے پر مُصر ہیں۔ آخرالذکر یعنی جمہوریت پسندوں کے نزدیک اشتراکیت کے بغیر عرب قومیت کے کوئی معنی نہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اپنی اس "اشتراکیت" کو اسلام کے منافی نہیں سمجھتے، بلکہ مصر والوں نے تو عرب اشتراکیت کی ایک اصطلاح بھی گھڑی ہے، جو ان کے نزدیک مترادف ہے اسلام کے معاشی و سیاسی نظام کے۔ وہ عرب اشتراکیت کو اسلام کے معاشی نظام سے تعبیر کر کے درحقیقت ان حملوں کا جواب دینا چاہتے ہیں، جو سعودی عرب وغیرہ کی طرف سے "ناصرازم" کی "لادینیت" پر ہوتے ہیں۔

اگر عرب قومیت کے تصور و مقاصد کے متعلق صرف یہی اختلاف ہوتا، تو کوئی خاص بات نہ تھی۔ اس طرح کے نظری اختلافات تمام تحریکوں میں ہوتے ہیں۔ کیمونزم آج کئی نظریاتی دھڑوں میں بٹ چکی ہے۔ اور یہی حال مغربی جمہوریت کا ہے لیکن عرب قومیت کی مختلف تعبیروں کے شدید اختلافات کا سلسلہ صرف یہیں تک نہیں رکتا۔ ہر عرب جمہوریت کی، جو عرب قومیت کے لئے اشتراکیت کو ضروری سمجھتی ہے، اپنی اپنی اشتراکیت ہے۔ اور ان کی یہ اشتراکیتیں بھی باہم دست و گریباں ہیں۔ مثال کے طور پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعث پارٹی جس کے ہاتھوں میں عراق اور شام کی اُن کے حالیہ انقلابات کے بعد زمام اقتدار آئی ہے، سو فیصد اشتراکیت کی علم بردار ہے بلکہ اسے عرب سوشلسٹ پارٹی کہا جاتا ہے۔ لیکن اسے صدر ناصر کی عرب اشتراکیت سے سخت اختلاف ہے، اور اسی بنا پر دونوں گروہوں میں خوب ٹھنی ہوئی ہے۔ اور ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈہ کی جنگ جاری ہے۔

غرض عرب قومیت اور اس کے ساتھ اشتراکیت میں ہم خیال ہوتے ہوئے بھی صدر ناصر اور بعث پارٹی میں نہ اتحادِ فکر ہے۔ اور نہ اتحادِ عمل۔ اور اگرچہ مصر، شام اور عراق میں ایک وفاق بنانے کا معاہدہ ہو چکا ہے، لیکن اس کے بعد بھی ان میں آپس میں چھڑی ہوئی ہے۔ چنانچہ نہ عرب قومیت کا کوئی واضح نقشہ بنتا ہے؛ اور نہ اشتراکیت کی حدود طے ہوتی ہیں۔ اس کش مکش میں بعث پارٹی جیتتی ہے یا صدر ناصر، فی الحال اس کے بارے میں قیاس آرائی مشکل ہے لیکن ہر ایک گروہ اپنی اپنی جگہ کافی مضبوط ہے، اور وہ آسانی سے ہار نہیں مانے گا۔ اور دونوں میں مقابلہ سخت ہوگا۔

اس سے تو شاید ہی کوئی انکار کر سکے کہ عرب دنیا میں مطلق العنان شخصی یا دشاہت کا، جیسی کہ اب تک وہاں رہی ہے، کوئی مستقبل نہیں ہے۔ اور پچھلے دنوں یمن میں جو کچھ ہوا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نئی طرز کے ہتھیاروں سے مسلّح اور منظم فوج دنیائے عرب کے مطلق العنان بادشاہوں کے تخت و تاج کے لئے ایک مستقل خطرہ بن گئی ہے۔ اور خاص طور سے جب کہ اس کے سامنے قاہرہ اور بغداد کی مثالیں ہیں۔ اور ریڈیو "صوت العرب" دن رات اسے "امت عربیہ" کے نام سے "قومیت عربیہ" کے نام سے، بلکہ خود "اسلام" کے نام سے ابھارتا رہتا ہے، اور یہودیوں کے ہاتھ سے فلسطین میں پوری عرب قوم کی جو تذلیل ہوئی تھی، اس کا بدلہ لینے کی صورت یہی بنتا ہے کہ بادشاہتیں ختم ہوں اور "قومیت عربیہ" کے حقیقی ترجمان و محافظ برسرِ اقتدار آئیں۔ ایک تو قاہرہ اور بغداد کی مثالیں، دوسرے قاہرہ کے "صوت العرب" کا مسلسل پروپیگنڈہ، پھر عربوں کا گرم خون اور اس پر صدیوں کی نکبت و ادبار، محکومی و ذلت، اور غیروں اور اپنوں کے ظلم و استبداد کا شدید احساس۔ ان سب نے مل کر پوری عرب دنیا میں ایک ایسا زبردست جذباتی سیلاب پیدا کر دیا ہے، جس کے سامنے بادشاہتوں

© rasailojaraid.com

کا جو خود اپنی بدکرداریوں اور سیاسی تدبیروں سے کھوکھلی ہو چکی ہیں، ٹھہرنا ناممکن ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس سیلاب کی قوت و وسعت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اور اس کی موجیں پوری عرب دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہیں۔

الجزائر کی آٹھ سالہ جدّ و جہد آزادی، جس کی تاریخ میں بمشکل کوئی مثال ملے گی۔ عرب آج آزادی کے لئے کیا کچھ کرنے کا عزم اور حوصلہ رکھتے ہیں، اس کا ایک عملی ثبوت ہے۔ یہ عزم اور حوصلہ کتنا سفّاک ہو سکتا ہے، بغداد میں آئے دن جو خونریزیاں ہوتی رہتی ہیں اس سے ایک اندازہ کر لیجئے۔ صدیوں کے سیاسی استبداد، معاشی استحصال اور معاشرتی دباؤ کے خلاف جب جذبات اُبھرتے ہیں، تو ان کی تندی اور تیزی کا یہی عالم ہوتا ہے۔

عرب قومیت کے اس سیلاب کو عرب جمہوریتوں کے ریڈیو نجد و حجاز، خلیج فارس کی ساحلی عرب امارتوں اور عدن و حضر موت اور ان کے نواحی علاقوں میں بسنے والے اَن پڑھ آبادیوں سے دور صحرا نشین بدوؤں کے خیموں تک پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے۔ دن رات ان کا یہی شغلہ ہے۔ اور عربی زبان کی بے نظیر خطابت اس میں ان کی سب سے بڑی مدد معاون ہے۔ ظاہر ہے یہ سیلاب جلد یا بدیر تمام عرب ملوک، امرا اور شیوخ کو حتمی طور سے بہا کر لے جائے گا۔ اور خواہ یہ لاکھ اسلام کے نام سے اس کے سامنے بند باندھیں، اور بڑی بڑی سلطنتوں کی طرف سے ان کی پشت پناہی ہو، یہ بچ نہیں سکتے کیونکہ ایک تو خود ان کا وجود اب تاریخ پر ایک بار ہے۔ دوسرے یہ لوگ حکمرانی کی تمام صلاحیتیں بھی کھو چکے ہیں۔ پھر جس اسلام کے نام سے وہ اپنی حفاظت کرنا چاہتے ہیں، اس کے نزدیک تو خود اِن کا وجود ہی سر تا سر ناجائز ہے۔

عرب ملکوں کی آج فوری ضرورتیں تین ہیں:- غیر ملکی استعمار اور ملکی استبداد سے آزادی۔ عرب اتحاد اور صدیوں کی پس ماندگی، جہالت، افلاس اور جمود کو دُور کرنا۔ عرب قومیت سے بے شک عربوں کو غیر ملکی استعمار اور ملکی استبداد سے آزادی حاصل ہو جائے گی۔ لیکن اس کے بعد دوسری منزل ان کے اتحاد کی ہے۔ اتحاد کسی شکل میں ہو، تمام عرب ممالک کی ایک متحدہ عرب جمہوریہ بنے، یا ان کی ایک فیڈریشن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا کنفیڈریشن ہو، یا جیسے آج یورپ کو متحد کیا جا رہا ہے، اسی طرح عرب دنیا متحد ہو۔ بہرحال ان میں سے کوئی صورت بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر عربوں کو موجودہ ہمہ جہتی پستی سے نکلنا ہے تو ان میں کسی نہ کسی درجے پر اتحاد ہونا ضروری ہے۔ اتحاد کے بغیر یہ آپس میں لڑتے رہیں گے۔ اور ان کے معاشی و معاشرتی مسائل کبھی حل نہیں ہو سکیں گے۔

قومیت بطور ایک نعرہ کے، نہ کسی مسئلے کا کبھی دائمی حل ہوئی ہے اور نہ آئندہ ہو سکتی ہے۔ یہی مثال عرب قومیت کی ہے۔ اسی لئے اہل مصر یا صدر ناصر اور بعث پارٹی اس کے لئے اشتراکیت کو لازم و ملزوم سمجھتی ہے۔ یہ اشتراکیت اور خاص طور سے صدر ناصر کی اشتراکیت کا دعویٰ ہے کہ عرب اشتراکیت ہے، وہ نہ خدا کے وجود کا انکار کرتی ہے نہ وہ مذہب کی منکر ہے۔ اور وہ اسلام کی دینی، روحانی اور تاریخی روایات کے سلسلے کو بھی منقطع کرنے کے حق میں نہیں۔ اسی لئے مصر کے آئین میں اسلام کو مملکت کا دین بدستور رہنے دیا گیا ہے۔ وہاں کے محکمہ اوقاف کی طرف سے اسلام کا ریڈیو کے ذریعہ پروپیگنڈا بھی ہوتا ہے دینی کتابیں بھی چھپتی ہیں۔ اسلام کی تبلیغ بھی کی جاتی ہے۔ اور قومی زندگی میں اسلام کی مسلمہ حیثیت ہے شاید بعث پارٹی کی اشتراکیت اس قدر اسلامی اثرات کے حق میں نہیں جتنی کہ مثال کے طور سے صدر ناصر کی عرب اشتراکیت ہے کیونکہ ایک تو اس پارٹی کی فکری قیادت مصر کی طرح خالصاً مسلمانوں کی نہیں، دوسرے نہ شام میں اور نہ عراق ہی میں جامعہ ازہر جیسا کوئی ایک ہزار سے سال قائم مذہبی و تعلیمی ادارہ ہے۔ جس کی حیثیت ایک مملکت کے اندر ایک اور مملکت کی ہے۔ اور کوئی حکومت خواہ وہ عوام میں کتنی بھی مقبول ہو، اس کے اثر و رسوخ کو چیلنج نہیں کر سکتی۔

آج عرب قومیت مع اشتراکیت کے۔ یہ اشتراکیت صدر ناصر کی عرب اشتراکیت ہو یا بعث پارٹی کی اشتراکیت۔ آزاد ترقی خواہ استعمار دشمن عرب جمہوریتوں کا سیاسی نصب العین ہے اور یہ مشتمل ہیں الجزائر، مصر، شام اور عراق پر۔ یہ اشتراکیت انہیں متحد کر سکتی ہے یا نہیں۔ اور اگر ان دونوں میں کشمکش ہوتی ہے، تو ان میں سے کون سی اشتراکیت کا پلہ بھاری رہے گا۔ اس کا فیصلہ مستقبل ہی کر سکتا ہے۔ بہرحال عرب قومیت ان میں سے کسی نہ کسی شکل میں عرب دنیا میں بحیثیت ایک سیاسی طاقت

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لازماً رہے گی۔ بلکہ طاقتور ہوتی جائیگی۔ اور یہ توقع کرنا کہ سعودی عرب یا اس طرح کی دوسری عرب بادشاہتیں اپنی نام نہاد اسلامی عربی قومیت کی مدد سے اس کے مقابلہ میں ٹھہر سکیں گی، خام خیالی ہے۔ لیکن یہ مسئلہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ دنیائے عرب میں صدر ناصر کی عربی اشتراکی قومیت اور بعث پارٹی کی اشتراکی عرب قومیت کی ایک اور حریف طاقت کمیونزم اور اشتمالیت ہے، جسے بے شک اس وقت عراق اور شام دونوں ملکوں میں بڑا دھکا لگا ہے، لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ یہ تحریک جو زیر زمین کام کرنا جانتی ہے، ہمیشہ کے لئے عرب دنیا سے ختم ہو گئی صحیح نہیں ہوگا۔ عرب قومیت اور عرب اشتراکیت کے لئے یہ اشتمالیت ایک مستقل خطرہ ہے اور اس کا پورا امکان موجود ہے کہ مستقبل قریب یا بعید میں عرب دنیا کے اقتدار کے لئے ان دونوں تحریکوں میں باقاعدہ کش مکش ہو، اور عرب قومیت اور عرب اشتراکیت کی موجودہ شکل سے اشتمالیت کھلے بندوں ٹکرلے، اس بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ جہاں تک عرب عوام یعنی جمہور کا تعلق ہے، ان کے دلوں میں اسلام کی محبت ہے اور ان کے ہاں اسلام کی مخالف کوئی تحریک مقبول نہیں ہو سکتی، لیکن یہ عوام اقتدار کی کش مکش میں کس حد تک اثر انداز اور فعّال ہو سکتے ہیں، سوچنے کی بات یہ ہے۔ اگر عرب قومیت اور عرب اشتراکیت عربوں کو وحدت نہیں دے سکتی، اور اس کی وجہ سے ان کی معاشرتی و معاشی پستی اور بدحالی قائم رہتی ہے تو اشتمالیت کا زیر زمین سے بالائے زمین آجانا چنداں غیر متوقع نہیں ہوگا۔

بدقسمتی سے عرب دنیا میں صدیوں سے اسلام بالعموم اپنی فقہی شکل میں زیادہ مقبول رہا ہے۔ سعودی عرب میں امام احمد بن حنبل کے فقہی مذہب کی شیخ محمد بن عبدالوہاب نے جو تعبیر کی ہے، علاوہ وہاں کا اسلام ہے۔ مصر میں اس وقت تو نہیں، لیکن آج سے تقریباً سو سال قبل یہی حالت تھی۔ چنانچہ جب سید جمال الدین افغانی وہاں تشریف لے گئے، اور آپ نے طلبا اور اہلِ علم کو علوم عقلیہ و حکمیہ کی طرف توجہ دلائی، تو علمائے ازہر سخت برافروختہ ہوئے، اور انہیں طرح طرح سے مطعون کیا۔ کتاب "رودِ کوثر" کے مصنف شیخ محمد اکرام اسی قسم کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔

"ہمارے ایک دوست چند سال ہوئے اسپین ہوتے ہوئے اسپینی مراکش میں بھی بغرضِ سیر و سیاحت

© rasailojaraid.com

چلے گئے۔ ایک مسجد میں گئے تو امام نے پوچھا: "مَا مَذْهَبُكَ" ان بیچاروں نے مذہب کا مطلب ہندوستانی محاورے کے مطابق دین لیا اور کہا کہ مسلمان ہوں۔ امام صاحب نے پھر اپنا سوال دہرایا اور بالآخر ایک اور ساتھی کو ترجمانی کرنی پڑی۔ انہوں نے اپنا فقہی مذہب حنفی بتایا، تو امام صاحب اتنے مایوس ہوئے کہ شاید ان صاحب کے یہودی ہونے سے بھی نہ ہوتے۔[1]

شاید اب نہ ہو لیکن کچھ عرصہ پہلے تک سعودی عرب میں حنفی مذہب فقہ رکھنے والے کو اس سے زیادہ بُرا سمجھا جاتا تھا۔

اب دنیائے عرب میں ایک طرف فقہی اسلام کے بارے میں اس قدر غلو پایا جاتا ہے، تو دوسری طرف جو لوگ مغربی علوم حاصل کر رہے ہیں، اور چونکہ ان کے ملکوں میں یورپ سے قریب ہونے اور وہاں یورپیوں کی کثیر آبادی کی وجہ سے یورپی تہذیب کافی پھیل چکی ہے، وہ اس سے بھی متاثر ہیں اس لئے وہ بڑی سرعت سے اسلام کی روحانی قدروں سے دُور ہوتے جا رہے ہیں۔ اور یورپ کی مادی قدریں انہیں اپنی طرف کھینچ رہی ہیں، اس طرح کے حالات، مذہب سے منکر اشتراکیت اور اشتمالیت کے فروغ کے لئے بڑے سازگار ہوتے ہیں، خدانخواستہ اگر عرب قومیت عرب عوام کے مذہبی عواطف وجذبات کو ساتھ نہ لے سکی اور نہ اس سے ان کے معاشی و معاشرتی مسائل حل ہوئے تو زیر زمین اشتمالیت کے لئے پر پرزے نکالنے کے بڑے مواقع ہوں گے۔ عرب ملکوں میں اسلام کو ایک بہت بڑے خطرے کا سامنا کرنا پڑے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ آج کے تعلیم یافتہ اور مغربی علوم و فنون اور تہذیب و ثقافت سے متاثر عرب طبقوں کو پہلے کی طرح کا فقہی اسلام مطمئن نہیں کر سکتا۔ اور نہ آپ ان سے آج یہ منوا سکتے ہیں کہ قومیت فی نفسہ اور اس کے ساتھ ساتھ عرب قومیت بھی دین اسلام کے منافی ہے پس اس سے درگزرو۔ اور "اسلامی قومیت" اختیار کرو۔ اور وہ اس لئے کہ عرب قومیت اب ان کے ہاں ایک ٹھوس سیاسی حقیقت بن چکی

---

[1] رود کوثر ص ۵۵۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ اور اس سے انکار ٹھوس حقائق کا انکار کرنا ہے، اور اس کی آپ کسی عقلمند اور عملی زندگی سے تعلق رکھنے والے سے توقع نہیں کر سکتے۔

عربوں اور بالخصوص ان کے تعلیم یافتہ اصحاب کو یہ ایک بڑی آسانی ہے کہ وہ عربی زبان میں، جوکہ ان کی مادری زبان ہے مہارت رکھنے کے علاوہ ایک نہ ایک مغربی زبان میں بھی دستگاہ رکھتے ہیں، اس لئے ان میں سے اہل بصیرت افراد سے امید کی جا سکتی ہے کہ اس وقت یورپی مادیت اور اشتمالیت کی طرف سے اسلام کو جو چیلنج درپیش ہے، وہ اس کا جواب دینے میں پیچھے نہیں رہیں گے۔ اور قرآن سنت اور دوسرے اسلامی علوم سے استفادہ کر کے جن تک کہ ان کی براہ راست رسائی ہو سکتی ہے، یورپی مادیت اور اشتمالیت کے مقابلے میں ایک بہتر نظام معاش و اجتماع دیں گے، جو ان کا نعم البدل ہوگا، اور اسے اپنا کر عرب جمہور ان آنیوالے خطرات سے محفوظ رہیں گے۔

بے شک گزشتہ ڈیڑھ دو سو سال میں عرب دنیا میں متبحر علمائے اسلام کی کمی نہیں رہی لیکن جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، ان ملکوں میں اہل علم کی توجہ زیادہ تر فقہ اور اس طرح کے دوسرے رسمی علوم کی طرف تھی۔ ان میں البتہ ہمیں خاص طور سے شیخ محمد عبدہ مصری کی ایک ایسی شخصیت نظر آتی ہے۔ جو اس پامال راہ پر نہیں چلے۔ انہوں نے اسلامی علم و فکر کو ایک نئی ڈگر پہ ڈالا، اور اسلام کو وہ عمومیت اور ہمہ گیریت دینے کی کوشش کی، جن سے فکری جمود اور فقہی تقلید نے اسے ایک عرصہ دراز سے محروم کر رکھا تھا۔

مصر کی موجودہ مذہبی اصلاح کی تحریک کے بانی مبانی بھی شیخ محمد عبدہ تھے، لیکن شیخ محمد عبدہ کے ایک سوانح نگار کے الفاظ میں "مصر میں تحریک اصلاح کا اولیں جذبہ خود مصر کے اندر پیدا نہیں ہوا تھا، بلکہ سید جمال الدین افغانی کے اثرات و تعلیمات کا نتیجہ تھا" اور جہاں تک سید جمال الدین افغانی کا تعلق ہے اسی سوانح نگار کے الفاظ میں "وہ ایران اور افغانستان کے مختلف مقامات پر حصول تعلیم میں مصروف رہے۔ اٹھارہ برس کی عمر میں انہوں نے مسلمانوں کے تمام علوم بدرجہ اتم حاصل کر لئے۔ اور عربی صرف و نحو، علم اللسان، بلاغت اور اس کے تمام شعبوں۔ تصوف، منطق، فلسفہ، طبیعات، مابعد الطبیعات، ریاضی، ہیئت، طب، تشریح اعضا اور مختلف دوسرے علوم پر کماحقہ، حاوی ہو گئے۔" اور اس کے بعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اٹھارہ سال کی عمر میں وہ ہندوستان آئے اور ڈیڑھ سال اس ملک میں رہے۔

مصر میں سید جمال الدین افغانی کے اثرات ان کے شاگردوں کے ذریعہ پھیلے جن میں شیخ محمد عبدہٗ سب سے ممتاز تھے۔ اس سلسلے میں شیخ محمد عبدہ کا سوانح نگار لکھتا ہے کہ سید صاحب نے ان کو الٰہیات، فلسفہ، اصول فقہ، ہیئت اور تصوف کی انتہائی درسی کتابوں کا درس دینا شروع کر دیا" اور یہ کہ قدامت پسند علماء علم و فن کے متعلق سید صاحب کے ترقی یافتہ خیالات کے مخالف تھے۔ خصوصاً درسِ فلسفہ کی تجدید کے بالکل روادار نہ تھے۔ کیونکہ ان کے نزدیک فلسفہ دینِ حق کا دشمن تھا۔ [۱]

سید جمال الدین افغانی کی اپنی غیر معمولی شخصیت سے قطع نظر، وہ علوم جن کے درس نے مصر میں مذہبی اصلاح و تجدید کی نیو ڈالی، اور شیخ محمد عبدہٗ نے اس پر اپنی دعوت کی عمارت اٹھائی، وہ تمام وہی علوم ہیں، جو شاہ ولی اللہ کی کتابوں میں بڑی منزہ اور اعلیٰ شکل میں موجود ہیں، اور فکرِ ولی اللہی اُن کا خلاصہ ہے۔ کیا ممکن نہیں، کہ آج خدا کا کوئی بندہ موجودہ فکری و مادی حالات کے پس منظر میں شاہ ولی اللہ کے اس فکر سے عرب دنیا کو متعارف کرائے۔ اور یورپی مادیت اور اشتمالیت کی طرف سے اسے اس وقت جو چیلنج درپیش ہے، اس کا مقابلہ کرنے کے لئے اس فکر سے استفادہ کرنا قابلِ عمل بنائے۔ ہمارے نزدیک اس نازک وقت میں فکرِ ولی اللہی ایک مشعلِ ہدایت کا کام دے سکتا ہے۔ اور اس سے وہی روشنی مل سکتی ہے۔ جو آج سے تقریباً ایک سو سال پہلے ایک اور ماحول میں سید جمال الدین افغانی کے درس و تدریس سے ملی تھی۔

فقہ، حدیث و سنت اور قرآن اِس فکر کی اساس ہے۔ تصوف اور حکمت و فلسفہ اس کا ایک جزو لاینفک ہے۔ عقائد، اعمال و احکام اور رسوم و شعائر کو ان کے مادی ماحول اور ان کے ماننے والوں کے تاریخی، نفسیاتی اور ذہنی پس منظر میں دیکھنا اس فکر کے ہاں ضروری ہے

---

[۱] "اسلام اور تحریک تجدد مصر میں" از چارلس سی آدم۔ اردو ترجمہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لازمی ہے۔ یہ زندگی میں ارتقا اور بقائے اصلح[1] کا قائل ہے۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ وہ تمام شرائع الٰہیہ میں ایسے اصولوں کی نشان دہی کرتا ہے، جو پوری نوع انسانیت میں پائے جاتے ہیں اور شرعی احکام و عبادات کی وہ اسی نقطۂ نظر سے تشریح کرتا ہے۔ پھر وہ روحانی زندگی اور معاشی زندگی کو لازم و ملزوم قرار دیتا ہے، اور آخر الذکر کی ناہمواریوں کو مٹانا بھی لازمۂ نبوت ثابت کرتا ہے۔

اسلام کو پوری انسانی تاریخ کے پس منظر میں دیکھنا اور اُسے انسانیت کا عملی مصداق ثابت کرنا فکر ولی اللٰہی کی امتیازی حیثیت ہے۔ اور آج مسلمانوں کے ہاں جو نظام اس اساس پر بنے گا، وہی اشتمالیت کا مقابلہ کرسکنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

---

[1] جاننا چاہیئے کہ وہ اسباب جن کی بنا پر حسب عادتِ الٰہی قضاء و احکام وارد ہوتے ہیں، جب ان میں باہم تعارض ہو، اور ان کے تمام مقتضیات و دواعی مکمل نہ ہوں تو اس صورت میں حکمت الٰہیہ کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اس چیز کی رعائت کی جائے، جو خیر مطلق اور خیر محض سے قریب تر ہو، اور یہی معنی ہیں لفظ میزان کے۔ جو ارشاد نبوی صلعم میں وارد ہوا ہے۔ آپؐ نے فرمایا بیدہٖ المیزان یرفع القسط و یخفضہ اور آیت کل یوم ھو فی شانٍ میں شان سے یہی مراد ہے۔

...... باوجود اس کے کہ ہمارا علم محدود اور مختصر ہے .... ہم جانتے ہیں کہ عالم میں وہی چیز موجود ہوتی ہے اور وہی چیز وجود میں آتی ہے، جو وجود میں آنے کے زیادہ مستحق ہوتی ہے (حجۃ اللہ البالغہ اردو ترجمہ)

بات وہ دل نشیں کہی غیر بھی جس پہ مر مٹا
تیرے کمال کے مُقر ہیں سبھی شیخ و برہمن
جس کے جواب کے لئے دنگ ہے امتِ فرنگ
تو نے دیا ہے وہ ہمیں درس سیاست مدن

© rasailojaraid.com